ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No. 1 2024

بین الاقوامی قانون اور تعلقات کے بارے میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے تاثرات اور آراء

Maulana Syed Abul Al Maududi's perceptions and opinions on International Law and Relations

Khalid Mehmood Shah

Ph.D Scholar :Department of World Religion, Federal Urdu University, Karachi.

Gmail ID:

Khalidbinafzal@gmail.com

Abstract: *Maulana Maududi holds a central and key position in the reformation of Islamic thought and law, and the person who highlighted the thought of Imam Abu Hanifa, رحمہ اللہ Imam Shafi'i, Imam Muhammad bin Hasan al-Shibani, Imam Ibn Taymiyyah, Shah Wali Allah, and Dr. Muhammad Hameed ullah. Syed Maududi. His ideas were presented as international law in the 20th century AD such as the "Law of Prisoners of War" which Maulana described in his numerous writings. Similarly, what can be the rules and regulations of international law regarding the problem of slavery and its modern types, murderous warriors, Jizya, diplomacy, rights and duties of dhimmis. Islamic laws of peace and war, what will be the methods and methods of calling to religion in non-Islamic states, booty, reprisals, pledges, the concept of neutrality, such international debates. In the fourth Islamic State, the interpretation of the Qur'an, the third appendix of the definitions of "Sud" which is related to Dar al-Islam and Dar al-Harb, I have presented my thoughts and ideas from different aspects with arguments and analytical styles and other civilizations and laws. It has proved the validity of Islamic laws and how human rights can be effectively presented in the modern era.*

Keywords: Maulana Maududi; Jizya; Dar al-Harb; War; Shah Wali Allah

مولانا مودودیؒ اسلامی فکر و قانون کی تشکیل نو میں مرکزی وکلیدی مقام رکھتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام محمد بن حسن الشیبانیؒ، امام ابن تیمیہؒ، شاہ ولی اللہؒ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی فکر کو جس شخص نے نمایاں کیا وہ سید مودودیؒ ہیں۔ ان کے افکار بیسویں صدی عیسوی میں بین الاقوامی قانون کے طور پر پیش کیے گئے جیسا کہ "قانونِ اسیران جنگ" جس کو مولانا نے اپنی متعدد تحریروں میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح غلامی کا مسئلہ اور اس کی جدید اقسام و قاتلین محاربین، جزیہ، سفارت کاری، ذمیوں کے حقوق وفرائض کے بارے میں بین الاقوامی قانون کے قواعد وضوابط کیا ہو سکتے ہیں۔ اسلامی قوانین صلح وجنگ، غیر اسلامی ریاستوں میں دعوت دین کے اسالیب و مناہج کیا ہوں گے مالِ غنیمت، انتقامی کارروائیاں، امان نامے، غیر جانبداری کا تصوّر ایسے بین الاقوامی مباحث انہوں نے بالترتیب اپنی تصنیف الجہاد فی الاسلام، تفہیمات، حصہ دوم، چہارم اسلامی ریاست، تفہیم القرآن، تصریحات "سود" کا تیسرا ضمیمہ جو دار الاسلام اور دار الحرب سے متعلق ہے، میں مختلف پہلوؤں سے اپنے افکار و نظریات کو دلائل کے ساتھ تجزیاتی اسلوب کے ساتھ پیش کیے ہیں اور دیگر تہذیبوں اور قوانین کی نسبت اسلامی قوانین کی حقانیت کو ثابت کیا ہے اور انسانی حقوق کو دور جدید میں کس طرح موثرانداز میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

منہج واسلوب اور بنیادی مسئلہ

مقالہ ہذا میں مولانا مودودیؒ کے افکار و آراء کے تناظر میں اسلامی قانون اور عصری بین الاقوامی قانون میں مطابقت کے کونسے نمایاں پہلو ہیں ان کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اس کی تنفیذ کا طریقہ کار کیا ہو گا اور اس کے ساتھ معاصر مفکرین مولانا شبیر احمد عثمانی، علامہ یوسف القرضاوی، وھبہ الزحیلی، مولانا ادریس کاندھلوی، بعدازاں مفتی تقی عثمانی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ڈاکٹر محمود احمد غازی، ڈاکٹر اسرار احمد کے آراء کو بھی پیش نظر رکھتے ہوئے تجزیاتی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

تاریخی پس منظر

گزشتہ دو صدیوں سے رومیوں نے مسلمانوں کو پہلے تو سیاسی طور پر پسپا کیا۔ پھر اس سے بھی زیادہ غم ناک پہلو مسلمانوں کی فکری و نظریاتی پسپائی تھی۔ مسلمان مغرب کے شمشیر بکف حملہ آوروں کے سامنے سرنگوں ہونے کے ساتھ ہی ساتھ تحقیق کے میدانوں میں بھی شکست خوردہ ہو گئے۔ یورپی اقوام مادی فتح کے ساتھ فکری میدانِ کارزار میں بھی کود پڑیں اور خالص دینی موضوعات کو تختۂ مشق بنانے کے لیے مسلمانوں ہی کی صفوں سے بھی اپنی 'فوج' بھرتی کرنا شروع کی۔ ان معاندانہ کوششوں کا ہدف نمایاں طور پر سیرتِ رسولؐ اور جہاد تھا اور ہے۔ ان کا مدعا یہ رہا ہے کہ "اسلام کو تمام تر غلبہ تلوار کے زور پر ملا ہے اور اسلام خون ریزی سکھاتا ہے"۔ اس نوع کے اعتراضات کا تعلق چوں کہ زیادہ تر سیرت رسول اللہ ﷺ سے تھا، اس لیے مغربی مصنّفین نے بڑے اہتمام سے اس موضوع پر لکھا۔ ۱۸۶۱ء میں لندن سے ایسے اعتراضات پر مبنی ایک ضخیم کتاب The Life of Mahomet ، سر ولیم میور (۱۸۱۹ء-۱۹۰۵ء) نے لکھی، جو اس وقت یو پی کے لیفٹیننٹ گورنر تھے۔ یہ کتاب بنیادی طور پر یورپی ذہن کی جانب سے ایک 'چارج شیٹ' کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس کتاب میں لگائے گئے الزامات سے مسلمان بہت بے چین ہوئے۔ تاہم، اس کتاب کا اوّلین جواب دینے کی رضاکارانہ ذمہ داری سر سیّد احمد خان (۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء) نے لی۔ اور اس مقصد کے لیے سر سیّد ۱۸۶۹ء میں انگلستان گئے۔[۲] ولیم میور کی کتاب کی پہلی جلد کا جواب کتاب کی صورت میں مرتب کر کے ۱۸۷۰ء میں لندن ہی سے انگریزی ایڈیشن Eassays on the Life of Muhammad شائع کی۔[۳] لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کتاب میں جہاد سے متعلق مباحث سے کوئی خاص تعرض نہیں کیا گیا (ویسے بھی ولیم میور نے اپنی کتاب کی تیسری اور چوتھی جلدوں میں جہاد کے متعلق مباحث ذکر کیے ہیں)۔ بعض مقامات پر اس حوالے سے ضمنی باتیں مل جاتی ہیں۔ اسلام پر جبر واکراہ کے الزام کے جوابات دیے ہیں۔ لیکن سر سیّد احمد کا اسلوبِ بیان مستشرقین سے ملتا جلتا ہے، وہ لکھتے ہیں: "جس اصول پر حضرت موسیٰ نے کافروں پر تلوار کھینچی تھی اور یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک خدا کے حکم سے وہ تلوار کھینچی گئی تھی کہ تمام کافروں اور بت پرستوں کو بغیر کسی استثنا کے قتل وغارت اور نیست ونابود کر دیں۔ اس اصول پر دین اسلام کے ماننے والوں نے کبھی تلوار کو میان سے نہیں نکالا۔ اس نے کبھی تمام کفار اور بت پرستوں کے نیست ونابود کرنے کا یا کسی کو تلوار کی دھار سے مجبور کر کے اسلام قبول کروانے کا نہیں کہا۔ ہاں، البتہ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اسلام نے بھی تلوار کو نکالا مگر دوسرے مقصد سے، یعنی خدا پرستوں کے امن اور ان کی جان ومال کی حفاظت اور ان کو خدا پرستی کا موقع ملنے کو، اور یہ ایک ایسا منصفانہ اصول ہے جس پر کوئی شخص کسی قسم کا الزام نہیں لگا سکتا"۔[۴] یہ وہی اسلوب ہے جس سے عموماً مستشرقین، انبیا کرامؑ کی گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ سر سیّد نے پوری کتاب میں الزامی جواب دینے کے لیے یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔ ان کے برعکس مولانا الطاف حسین حالی (۱۸۳۷ء-۱۹۱۴ء) خطباتِ احمدیہ کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "دوسری خصوصیت اس کتاب کی یہ ہے کہ سر سیّد نے اس کتاب میں مناظرہ کے اس مخاصمانہ طریقے کی جگہ جو مسلمانوں میں عموماً رائج ہے اور جس سے فریقِ مخالف کے دل میں بجائے رغبت کے نفرت اور بجائے آشتی کے ضد پیدا ہوتی ہے، ایک ایسا دوستانہ اور بے تعصبانہ طریقہ اختیار کیا ہے جو کسی کو ناگوار نہیں معلوم ہوتا اور مسلمانوں کے لیے ایک ایسی مثال قائم کی ہے کہ جس کی پیروی کرنے کی نہایت ضرورت تھی۔[۵] مولانا الطاف حسین حالی کی یہ محض ایک غیر محتاط اور غیر منصفانہ دلیل ہے۔ اگرچہ سر سیّد کا بنیادی مقصد 'ولایت' [تاج برطانیہ] کے ساتھ دوستانہ روابط قائم کرنے کے لیے بہت سی معذرتیں پیش کرنا تھا۔ سر سیّد خطباتِ احمدیہ کی اشاعت کے بعد ۲۷ سال تک زندہ رہے، لیکن معلوم نہیں ہو سکا کہ انھوں نے ولیم میور کی بقیہ تین جلدوں کا جواب کیوں نہ لکھا۔ تاہم، سیرت نگاری پر سر سیّد کے افکار نے بعد کے اہل قلم پر بہت گہرے نقوش مرتب کیے۔ اس دور میں اس قافلے کے آخری نقیب مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء-۱۹۱۴ء) تھے۔ ولیم میور کی جانب سے جہاد پر اعتراضات کا تفصیلی جواب مولوی چراغ علی (۱۸۴۴ء-۱۸۹۵ء) کے حصے میں آیا، اور انھوں نے تحقیق الجہاد[۶] کے نام سے کتاب تصنیف کی۔ جب ۱۸۷۰ء میں سر سیّد ہندستان واپس آئے، تو اسی سال دونوں کی ملاقات ہوئی۔ سر سیّد نے اس سے قبل ۱۸۶۴ء میں غازی پوری میں 'سائنٹفک سوسائٹی' قائم کی، جس کا بنیادی مقصد مغربی علوم کو اردو زبان میں ترجمہ کرنا تھا۔ چراغ علی صاحب چوں کہ زبانوں میں کافی مہارت رکھتے تھے، اس لیے مذکورہ ملاقات کے بعد سر سیّد نے ترجمے کے منصوبوں کی ذمہ داری ان پر ڈالی۔ منصوبہ ترجمہ کے مالی اخراجات ریاست حیدر آباد دکن برداشت کرتی تھی۔ اس لیے بعدازاں سر سیّد کی تجویز پر چراغ علی صاحب ریاست حیدر آباد میں کئی اہم مناصب پر فائز رہے۔ دونوں کی رفاقت بہت مضبوط تھی۔[۷] چراغ علی صاحب نے اپنی کتاب تحقیق الجہاد کو بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ سر سیّد کے نام منسوب کر

کے ۱۸۸۵ء میں شائع کیا۔ تاہم، انگریزی اشاعت کے بعد چراغ علی صاحب نے سر سیّد کو کتاب کا اردو ترجمہ کرنے میں مدد طلب کی۔ سر سیّد نے جواب میں لکھا کہ: ''اُردو میں اس کی اشاعت مناسب نہیں ہے، کیوں لوگ آپ کے مقصد کو نہیں سمجھیں گے۔ علی گڑھ میں پہلے سے آپ کے خلاف مخاصمانہ ماحول پیدا ہو چکا ہے اور حیدر آباد کے لوگ علی گڑھ والوں سے بھی زیادہ جاہل ہیں۔ اگر اردو میں اس کی اشاعت ہو گئی، تو آپ کے خلاف نفرت کی زہریلی فضا قائم ہو جائے گی''۔[8] خواجہ غلام الثقلین نے اس کتاب کا اردو ترجمہ ۱۹۱۳ء میں کر کے پانی پت سے شائع کیا۔ اس بحث سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ چراغ علی صاحب کی کتاب دراصل اس سلسلے کی کڑی تھی، جس کا آغاز سر سیّد احمد خاں نے کیا تھا۔ تحقیق الجہاد کا بنیادی مقدمہ یہ تھا کہ:

'رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی جنگیں لڑی تھیں وہ تمام دفاعی تھیں'۔ اس خطے میں چراغ علی صاحب پہلے آدمی ہیں، جنھوں نے 'دفاعی' اور 'اقدامی جہاد' کی تقسیم متعارف کرائی، جس کا اثر بعد ازاں اکابر سیرت نگاروں تک کے ہاں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس لحاظ سے مولانا شبلی نعمانی بھی اپنی معرکہ آرا کتاب سیرت النبیؐ میں 'دفاعی' اور 'اقدامی' اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں، اور وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کا تجزیہ کرتے ہیں، تو ان کے نزدیک تمام جنگیں دفاعی ہیں۔ مختصراً عرض ہے کہ جہاد کے حوالے سے یہ تقسیم اسلامی قانون سے قریب نہیں ہے۔ سر سیّد صاحب نے اپنے رفقا کے ہمراہ مغرب کو جواب تو دے دیا، لیکن اپنی صفائی بحیثیت مجرم کے پیش کی۔ اہلِ مغرب نے یہ اعتراض کیا کہ ''اسلام تلوار کی طاقت سے پھیلا ہے'' تو ان حضرات نے سرے سے انکار کر دیا کہ ''اسلام اور تلوار کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے''۔ اسی طرح وہ تمام نزاعی مسائل زیرِ بحث آئے، جو آج بھی زندہ موضوعات ہیں۔ اسیرانِ جنگ، غلامی، مالِ غنیمت، متحارب اور مفتوح اقوام سے تعلق، جزیہ کی وصولی اور اس نوع کے تمام مسائل میں سر سیّد کی فکری روایت اس وقت سے تا حال دور از کار تاویلات میں مصروف کار ہے۔ اس مختصر پس منظر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جہاد کے مسئلے پر اس خطے میں یہ ایک نئی فکر پروان چڑھی۔ ایک جانب اہل مغرب کا تعصب تھا اور دوسری جانب معذرت خواہ اہل قلم کا رویہ۔ اس گھٹاٹوپ ماحول میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۰۳ء-۱۹۷۹ء) پہلے آدمی ہیں، جنھوں نے بغیر کسی معذرت خواہی کے، مخالفین کے اتہامات کا جواب دیا۔ اس موضوع پر مولانا مودودی کی معرکہ آرا کتاب کا پس منظر ایک واقعہ بنا۔ ۲۰ ویں صدی کے آغاز میں ہندوؤں کی بعض تحریکیں اٹھیں جن کا بنیادی مقصد مسلمانوں کو تہذیبی اور سماجی سطح پر کمزور کرنا تھا۔ انھی میں سے ایک 'شدھی تحریک' بھی تھی۔ یہ تحریک اس نظریے کی بنیاد پر بنی کہ ہندستان کے لوگ دراصل ہندو ہیں۔ اس لیے جو لوگ دوسرے مذاہب پر ایمان لائے ہیں، ان کو دوبارہ شدھی بنا دینا چاہیے۔[10] اس مقصد کے لیے 'شدھی تحریک' نے مختلف طریقے اختیار کیے، اور آخر کار نسل پرست برہمن کھلی دشمنی پر اتر آئے۔ بالآخر مسلمانوں کو جبراً ہندو بنانا شروع کیا۔ یہ دشمنی اس حد تک بڑھ گئی کہ شدھی تحریک کے لیڈروں نے ایک قدم آگے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کھلم کھلا گستاخیاں شروع کر دیں۔

۲۳ دسمبر ۱۹۲۶ء کو اس تحریک کے بانی سوامی شردھانند (۱۸۵۶ء-۱۹۲۶ء) کو عبدالرشید نامی ایک مسلمان نے قتل کر دیا۔[11] اس سے مسلمانوں کے خلاف ماحول ابتر ہو گیا۔ ایک بار پھر ہندوؤں نے اسلام اور مسلمانوں کو مطعون کرنے کا آغاز کیا۔ مظاہروں سے ہندستان کے حالات خراب ہوتے چلے گئے۔ تاہم، تصورِ جہاد ایک بار پھر جلسوں اور اخباروں میں اعتراضات کی زد میں آ گیا۔ اس بار ہندوؤں کی نفرت اور تعصب نے ایسی شدت اختیار کی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے بڑے بڑے دانش ور بھی اس سے بچ نہ سکے۔ گاندھی جی (۱۸۶۹ء-۱۹۴۸ء) جو بڑے صائب الرائے آدمی تصور کیے جاتے تھے، انھوں نے اپنی نفرت کا اظہار سوامی کے تعزیتی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے اس طرح کیا کہ: ''عبدالرشید اس قتل کا ذمہ دار نہیں ہے بلکہ وہ لوگ ذمہ دار ہیں جنھوں نے نفرت پھیلا کر اس کو قتل پر اُکسایا۔[12] اسلام ایسے ماحول میں پیدا ہوا ہے، جس کی فیصلہ کن طاقت پہلے بھی تلوار تھی اور آج بھی تلوار ہے''۔[13] اخبار الجمیعۃ (۱۹۲۷ء) کے اداریوں سے یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ فساد پرور ہندو اس وقت کس قسم کا زہریلا پروپیگنڈا کر رہے تھے۔ سیّد مودودی لکھتے ہیں: ''ہندوؤں نے اس سلسلے میں جو رکیک اور غلط پروپیگنڈا شروع کیا ہے، اس میں ایک طرف تو ان کے لیڈر گورنمنٹ کو دھمکی دے رہے ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں کو مرعوب کرنا اور خوف دلانا چاہتے ہیں۔ ہندو اخبارات نے جو روش اختیار کی ہے اور ماتمی جلسوں میں جو زہریلی تقریریں کی جا رہی ہیں، وہ نہایت خطرناک اور امن سوز ہیں۔ جہاں تک اظہارِ غم اور ہمدردی کا معاملہ ہے، [تو] اظہارِ ماتم کا یہ کون سا طریقہ ہے کہ ایک مرتکب جرم کے ساتھ (جو ابھی تک متحقق نہیں کہ کون ہے) ساری مسلمان قوم کو موردِ طعن و تشنیع بنایا جائے، بلکہ اس پر بھی قناعت نہ کر کے مذہب اسلام کے خلاف بھی سب و شتم کا بازار گرم کر دیا جائے۔ سڑکوں پر سرِ راہ بھجن گاتے پھرنا اور ماتمی جلسوں میں مساجد پر اوم [ایشور] کے جھنڈے گاڑنے کا اعلان کرنا، تمام مسلمانوں کے شدھ [پاک] کرنے کا ارادہ ظاہر کرنا، مسلمانوں سے داڑھی منڈانے اور چوٹی رکھوانے کا مطالبہ کرنا، ہندو جاتی [ہندو قوم] کے نوجوانوں کو مرنے کے لیے تیار کرنا، یہ آخر کون سی تہذیب و شائستگی ہے؟''[14] [الجمیعۃ، ۱۰ جنوری ۱۹۲۷ء ہی میں مولانا مودودی لکھتے ہیں:]

"ایک مہاشہ صاحب کے ارشادات ملاحظہ ہوں، جو ۷ جنوری کے [اخبار] تیج میں شائع ہوئے ہیں: '۱۸ ویں صدی کے آخری دس سالوں میں مختلف یورپین ممالک کے رہزن، قزاق، لٹیرے، جانباز ڈاکو، لچے، لقے، شہدے، شاہین چور، حرام زادے جنھیں اخلاق و شائستگی سے کوئی واسطہ نہیں تھا، مہلک و تباہ کن آلات اور سمیات سے مسلح ہو کر اپنے اپنے گھروں سے چل کر ایشیا میں وارد ہوئے۔ انھوں نے کمزور اقوام کو تباہ کیا اور اپنے حلقۂ غلامی میں لا کر ان کے ممالک میں لوٹ مار مچا دی، سیاسی جرائم کا ارتکاب کیا، ان کی نظیر صفحہ تاریخ میں مسلم غنڈا پن اور ظلم و سفاکی کے سوا اور کوئی نہیں ملتی ہے۔ عرب کے وحشی بربریوں کے گروہوں کے گروہ جو محمد صاحب کے جانشینوں کی فتوحات کے نشوں سے سرشار و سرمست تھے، زیادہ اراضی پر قابض و متمکن ہونے اور نئی چراگاہوں پر متصرف ہونے کی حرص میں ہاتھوں میں قرآن و تلوار لیے ہوئے ایران اور ہندستان کے فی مابین علاقے کو ٹڈی [دَل] کی طرح برباد کرنے کے لیے چڑھ دوڑے تھے اور سَبھیَتا [تہذیب] جو کہ دو ہزار سالوں سے چلی آتی تھی، ایسے وحشی و سفاک بربریت مجسم دشمن سے دوچار ہوئی، جس کو ہنر و فنون لطیفہ، لٹریچر یا حُسن و خوبی کی قدر نہیں تھی۔ اس دشمنِ انسانیت عدو کا نعرہ جنگ، تباہی و بربادی ہی تھا۔ ہندستان میں داخل ہو کر ان بدباطن بربریوں نے بودھوں کے مَٹھوں [تعلیمی مراکز] اور دھرم اَستھانوں [مندروں] کو ملیامیٹ کر دیا۔ تعلیم کے مراکز غنڈا گردی و شہدے پن کے مرکزوں میں تبدیل ہو گئے۔ بھارت ورش [ہندستان] نے بودھ اُتم دھرم [اعلیٰ بدھ مذہب] کھو دیا اور بودھ پرجا [عوام] کو لاکھوں کی تعداد میں جبراً عرب کے دین میں تبدیل کیا گیا۔ اس وقت ہندستان میں ایک بھی مسلمان نہیں تھا، مگر آج سات کروڑ مسلمان ہیں"۔[15] مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"ممکن ہے اس تحریر کو ایک شخصی تحریر کہا جائے، لیکن لاہور کے اخبار سوراجیہ کی اس تحریر کے متعلق کیا کہا جائے گا، جو کسی شخص کا ذاتی اخبار نہیں بلکہ [انڈین نیشنل] کانگریس کی سرپرستی میں نکل رہا ہے: مسلمانانِ ہند کی تواریخ کسی بھی پہلو میں شان دار نہیں، نہ انھوں نے کوئی فلاسفر پیدا کیا ہے اور نہ ہی کوئی سائنس دان، نہ کوئی حقیقی دھرماتما [فیاض] اور نہ ہی کوئی جاں باز محب وطن، بلکہ وقتاً فوقتاً انھوں نے اپنی بربریت اور وحشیانہ پن کا ہی ثبوت دیا ہے اور اس کا واحد کارن مقصد ان کا مذہبی کٹرپن، عدمِ رواداری، تنگ دلی اور غلط خیالات ہیں"۔[16] ان حالات میں جس تصور کے خلاف سب سے زیادہ پروپیگنڈا کرایا گیا، وہ جہاد ہے۔ برطانوی ہند کے طول و عرض میں اسی زبان میں آگ کے شعلے بلند کرتے اور لاوا اُگلتے پروپیگنڈے کی زد میں اسلام اور مسلمان تھے۔ انھی دنوں مولانا محمد علی جوہرؔ (۱۸۷۸ء-۱۹۳۱ء)[17] نے جامع مسجد دہلی میں خطبہ دیتے ہوئے حسرت سے کہا: "کاش! کوئی بندۂ خدا اس وقت اسلامی جہاد پر ایسی کوئی کتاب لکھے، جو مخالفین کے سارے اعتراضات و الزامات کو رفع کر کے جہاد کی اصل حقیقت دنیا پر واضح کر دے"۔[18]

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ:

> "تقریر سننے والوں میں سے ایک میں بھی تھا۔ میں جب وہاں سے اٹھا تو یہ سوچتا ہوا اٹھا کہ کیوں نہ میں ہی اللہ کا نام لے کر اپنی سی کوشش کروں"۔ مولانا جوہرؔ کی اس آرزو نے سیّد مودودی کو مہمیز دی اور اس موضوع پر لکھنے کا آغاز کیا۔ سیّد مودودی ان دنوں جمعیت العلما کے سہ روزہ اخبار الجمعیۃ، دہلی کے ایڈیٹر تھے، اور روزِ اول (دسمبر ۱۹۲۴ء) سے دسمبر ۱۹۲۸ء تک ادارت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔[19]

اسی پرچے میں اسلامی قانونِ جنگ پر مولانا مودودی نے یہ سلسلہ وار مضامین بہ عنوان 'کیا اسلام خوں ریزی سکھاتا ہے؟' لکھنا شروع کیا، تو جمعیۃ العلماء کے ناظم مولانا احمد سعید نے، اس سلسلہ تحریر کے تعارف میں یہ سطور قلم بند کیں: "دنیا میں حقیقی امن و صلح کا پیغام اگر کوئی مذہب لایا ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔ مگر عداوت اور بغض کا بُرا ہو کہ اس نے مخالفین اسلام کی آنکھوں کو ایسا اندھا کر دیا ہے کہ اُن کو یہ روشنی نظر نہیں آتی، اور وہ برابر اسلام کی تعلیم کو خونی تعلیم اور اسلام کو خونی مذہب کہتے ہیں۔ مخالفین اسلام کے غلط پروپیگنڈے کی قلعی کھولنے اور اسلام کی حقیقی اور سچّی تعلیم کو واضح کرنے کے لیے جمعیۃ العلما کے اخبار الجمعیۃ میں ایک پُراز معلومات سلسلۂ مضامین شروع کیا جا رہا ہے، جو مخالفین کے لیے مشعل ہدایت اور مسلمانوں کے لیے بصیرت کا ذریعہ ہو گا۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ صلح و جنگ کے احکام کو صحیح اسلامی تعلیم کے مطابق پڑھیں اور سمجھیں اور ہندستان کے تمام قومی و مذہبی معاملات میں سچی رہنمائی سے مستفید ہوں، تو فوراً ۲ فروری ۱۹۲۷ء سے اخبار الجمعیۃ کو التزام سے پڑھیے اور اپنے احباب و اقربا کو پڑھایئے اور سُنایئے۔ ہر مسلمان کا قومی اور مذہبی فرض ہے کہ حق کی اس آواز کو دوسرے مسلمانوں تک پہنچا دے۔ بالخصوص اس وقت ائمہ مساجد کی اسلامی خدمت یہی ہے کہ جمعہ کے روز الجمعیۃ کے مضامین مسلمانوں کو سنا کر اُن میں اسلامی تعلیم کی سچی واقفیت پیدا کریں، تاکہ وہ عام مسلمانوں کا طبقۂ مخالفین کی تلبیس کی مضرتوں سے محفوظ رہے۔ الجمعیۃ کی توسیع اشاعت بھی طریقِ حق میں سے ایک مفید اور نتیجہ خیز طریقہ ہے"۔[20]

جب الجمعیۃ میں ۲۳، ۲۴ قسطیں چھپ چکیں تو اندازہ ہوا کہ اتنے بڑے موضوع کو اخبار کے صفحات پر مکمل کرنا ممکن نہیں۔ اس لیے مولانا سید مودودیؒ نے اقساط کی اشاعت روک دی۔[21] اور پھر اس سلسلۂ مضامین کو مفصل مباحث کے ساتھ کتابی صورت میں مرتب کر کے دارالمصنّفین کے سپرد کیا۔ بالآخر یہ مضامین علامہ سیّد

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No. 1 2024

سلیمان ندوی [۱۸۸۴ء-۱۹۵۳ء] کے تجویز کردہ عنوان الجہاد فی الاسلام کے تحت ۱۹۳۰ء میں وہیں سے شائع ہوئے۔ سیّد مودودی نے دارالمصنّفین کے سامنے بعض شرائط رکھی تھیں، جس کا ذکر سیّد سلیمان ندوی نے مجلس دارالمصنّفین کے رکن مولانا عبدالماجد دریابادی سے ایک خط میں کیا: ''ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اسلام اور جنگ پر سلسلۂ مضمون لکھا تھا اور الجمیعۃ میں شائع ہوا تھا، اسے موصوف نے مع اضافہ ابواب کثیر تین ساڑھے تین سو صفحات کی ایک کتاب لکھی ہے، جو معیار کے مطابق اور تحقیقی معلومات کے مطابق ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس کو دارالمصنّفین شائع کرے اور اس کے معاوضے میں وہ ان کو دائمی رکن بنائے اور اپنی مطبوعات سالانہ "معارف" ان کو دیا جائے''۔[۲۲] دسمبر ۱۹۲۹ء کے معارف میں "الجہاد فی الاسلام" کے بارے مولانا سیّد سلیمان ندوی نے لکھا:

''دارالمصنّفین سے امسال زیرِ طبع ایک کتاب اسلام اور اس کے قوانینِ جنگ ہے، جس میں اسلام کی رواداری، جہاد اور اس کے اسباب و اغراض دوسری قوموں کے حقوق، ان سے لڑائی اور صلح کے احکام، دوسرے مذاہب اور موجودہ متمدن حکومتوں کے قوانینِ جنگ سے مقابلہ اور موازنہ، یہ کتاب شاید ۵۰۰ صفحات پر ختم ہو۔ آدھی سے زیادہ چھپ چکی ہے۔ شاید دو مہینے میں پوری ہو سکے''۔[۲۳] کتاب کی اشاعت کے بعد ماہ نامہ "معارف" کے مدیر مولانا سیّد سلیمان ندوی، الجہاد فی الاسلام کے مختصر تعارف میں لکھا: ''سالِ گذشتہ کی طرف سے اس مہینے جو نئی کتابیں چھپ کر تیار ہو رہی ہیں، ان میں تیسری کتاب کا نام الجہاد فی الاسلام ہے، اس کے مؤلف ابوالاعلیٰ صاحب مودودی ہیں۔ تقریباً ۵۰۰ صفحات میں یہ کتاب تمام ہوئی ہے۔ اس میں اسلامی جہاد کے اصول و مسائل، معترضین کے جوابات، مخالفین کے شکوک و شبہات کی تردید، یہودیوں، عیسائیوں، ہندوؤں اور بودھوں کے اصول سے ان کا مقابلہ اور یورپ کے موجودہ قوانینِ جنگ پر تبصرہ اور جہاد کے اسلامی قوانین سے ان کا موازنہ ہے۔ عربی اور انگریزی کی بہترین مستند کتابوں کے حوالوں سے یہ لکھی گئی ہے۔ خیال ہے کہ اس ضروری مسئلے پر اس سے زیادہ مدلل، مبرہن اور مبسوط کتاب اب تک نہیں لکھی گئی''۔[۲]

برصغیر کے مشاہیر اہلِ علم وفکر کے اس کتاب کے بارے میں تاثرات

علامہ محمد اقبال (۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء) نظریۂ جہاد میں دل چسپی رکھتے تھے اور اہلِ قلم کو اس موضوع پر لکھنے کے لیے اُبھارتے رہتے تھے۔[۲۵] جب 'الجہاد فی الاسلام ان تک پہنچی تو فرمایا: 'اس [کتاب] کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے معذرت خواہانہ لہجہ اختیار نہیں کیا، بلکہ جنگ و جہاد کے متعلق اسلام کے جو نظریات ہیں، اُنھیں کسی تاویل یا تعبیر کے بغیر، بڑے کرّوفر سے پیش کیا ہے'۔[۲۶] دارالاسلام کے منصوبے کے لیے سیّد مودودی کے انتخاب کا ذریعہ بھی یہ کتاب بنی تھی: 'سید نذیر نیازی (م: ۱۹۰۰ء-۱۹۸۱ء) راوی ہیں کہ علامہ [محمد اقبال] نے چودھری نیاز علی خاں [۱۸۸۰ء-۱۹۷۶ء] سے 'دارالاسلام' کے 'مردِ کار' کی فراہمی کے بارے میں کہا: 'حیدرآباد [دکن] سے ترجمان القرآن کے نام سے ایک بڑا اچھا رسالہ نکل رہا ہے۔ مودودی صاحب اس کے ایڈیٹر ہیں۔ میں نے ان کے مضامین پڑھے ہیں۔ دین کے ساتھ ساتھ وہ مسائل حاضرہ پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ ان کی کتاب الجہاد فی الاسلام مجھے بہت پسند آئی ہے۔ آپ کیوں نہ انھیں 'دارالاسلام' آنے کی دعوت دیں۔ میرا خیال ہے وہ دعوت قبول کر لیں گے'۔[۲۷] جن حضرات کو اس زمانے میں کتاب پڑھنے کا موقع ملا، ہر کسی نے اس کی بہت تعریف کی ہے۔ مثال کے طور پر رئیس احمد جعفری [۱۹۰۸ء-۱۹۶۸ء] لکھتے ہیں:

''بچپن سے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے افکار و دماغی زورِ قلم اور متوازن رائے کا سکہ دل پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ وہی صحافی تھا جس نے اپنی نوجوانی کے زمانے میں جمیعۃ العلما کے ترجمان الجمیعۃ کی عنانِ ادارت ہاتھ میں لی اور اسے بام عروج پر پہنچایا، ہندستان کے بلند پایہ اخبارات کی صفِ اوّل میں پہنچا دیا، سوامی شردھانند کے [واقعۂ] قتل کے بعد جس نے 'اسلام اور تشدد کا مسلک' کے موضوع پر اتنے عالمانہ سیر حاصل اور بلند پایہ مقالات لکھے کہ دھوم مچ گئی، مخالفین تک داد دینے پر مجبور ہو گئے''۔[۲۸]

سیّد مودودی لکھتے ہیں: ''میں نے جب دنیا میں آنکھیں کھولیں، تو ایک خاص مذہبی ماحول میرے سامنے تھا، جس کی بہت سی چیزیں مجھ کو اپیل نہیں کرتی تھیں۔ خوش قسمتی سے میری ابتدائی تعلیم عربی زبان ہی میں ہوئی تھی اور اسلامی علوم کی ابتدائی کتابیں میں پہلے ہی پڑھ چکا تھا۔ اس سے مجھے احساس ہوا کہ جب میں قرآن اور حدیث کو پڑھ کر سمجھ سکتا ہوں تو مجھے جاننا چاہیے کہ وہ اسلام کیا ہے جو قرآن و حدیث پیش کرتے ہیں۔ اس مطالعے کے دوران میں میں نشان بھی لگاتا گیا اور نوٹس بھی لیتا گیا، جس سے معلوم ہوا کہ اسلام فی الواقع کیا ہے؟ اس مطالعے نے تفصیلی اور تحقیقی شکل اس وقت اختیار کی جب میں نے 'الجہاد فی الاسلام لکھنی شروع کی''۔[۲۹]

یہ وہ تصنیف ہے جس نے خود سیّد مودودی کے اندر انقلاب برپا کیا اور انھوں نے صحافت کو خیر باد کہہ کر احیاے اسلام کے لیے جدوجہد شروع کی، جس نے بعد میں جماعت اسلامی کو وجود بخشا۔ جسٹس ملک غلام علی [۱۹۲۰ء-۲۶ ستمبر ۱۹۹۴ء] کے بقول 'الجہاد فی الاسلام کے بارے میں سیّد مودودی نے ایک مرتبہ خود فرمایا: ''اس کتاب نے سب سے زیادہ فائدہ خود مجھے پہنچایا ہے۔ میں نے جب اس کتاب کے لکھنے کا ارادہ کیا تھا، تو میرے اندر دینی حمیت سے زیادہ قومی حمیت کا جذبہ کام کر رہا تھا،

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No. 1 2024

لیکن تالیف و تحقیق کے دوران میں جب مجھے ایک ترتیب کے ساتھ اسلام کے اساسی نظریات اور اس کے تفصیلی احکامات کا غور سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا، تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجھ میں نہ صرف نظامِ شریعت کا فہم اور اس کی حقانیت کا غیر متزلزل یقین اُبھر آیا، بلکہ اس نظام کے احیا کا ولولہ بھی مجھ میں پیدا ہو گیا اور اس کے لیے کام کرنے کا طریقہ بھی میری سمجھ میں آگیا۔ اس کے بعد میں نے اخبار نویسی کے مروج اور پامال راستے کو خیر باد کہنے کی ٹھان لی۔ الجمیعۃ سے علیحدگی اختیار کرلی اور یہ طے کیا کہ صحافت کی دنیا میں اگر آئندہ قدم رکھوں گا، تو صرف اس شرط پر، کہ اسے دینِ حق کی خدمت کا ذریعہ بناؤں۔ اس کے بعد مزید پانچ سال تک پھر صرف مطالعہ، لکھنے پڑھنے اور اپنی علمی استعداد بڑھانے کا کام کرتا رہا"[۳۰]۔ اس شاہکار تصنیف نے بے شمار لوگوں کی زندگیاں سنواری ہوں گی۔ یہاں ہم صرف شورش کاشمیری (۱۹۱۷ء-۲۵،اکتوبر ۱۹۷۵ء) کے احوال نقل کررہے ہیں جو مجلس احرار کے رہنما کی حیثیت سے ساہیوال سنٹرل جیل میں قید تھے۔ ان کے ساتھ بعض معروف کمیونسٹ لیڈر بھی قید تھے۔ آغا شورش کاشمیری لکھتے ہیں:

"میں نے [جیل ہی میں] مختلف پروفیسروں سے کمیونزم پڑھنا شروع کیا۔ دو سال تک پڑھتا رہا اور سچ تو یہ ہے کہ میری ذہنی بنیادیں ہل گئیں۔ میں خدا کے وجود سے لے کر عام اخلاقی اقدار تک کے عقیدے میں ڈگمگا گیا۔ میں نے قرآن مجید کی باقاعدہ تلاوت ترک کر دی، کیوں کہ میں سمجھتا تھا کہ مطلب جانے بغیر اس کی تلاوت بے فائدہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) فرصت کے قہقہوں کا موضوع سمجھتا تھا۔ اور ہر اس مسئلے کی تضحیک میں خوشی ہوتی، جو مذہب کے 'غیر عقلی' وجود سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی اثنا میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے مجھے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی ایک ضخیم تصنیف 'الجہاد فی الاسلام' بھجوائی۔ میں نے سرورق دیکھا اور کتاب کو سرہانے رکھ چھوڑا۔ کچھ دنوں بعد میرا [سنٹرل] جیل خانے کے سپرنٹنڈنٹ سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ اس نے مجھے تنہائی میں بھیج دیا اور مارکسزم کے موضوع کی تمام کتابیں روک لیں۔ میں نے اصرار کیا، لیکن وہ نہ مانا۔ جب دو چار دن بے مطالعہ تنہائی میں گزر گئے تو میں نے محض دفع الوقتی کے لیے 'الجہاد فی الاسلام' طلب کی۔ سپرنٹنڈنٹ ہندو تھا، اس لیے مذہبی کتاب سمجھ کر بھیج دینے پر راضی ہو گیا۔ میں نے تین دن میں تمام کتاب پڑھ ڈالی۔ یہ مطالعہ آنکھوں کی مشغولیت تک محدود رہا۔ دماغ میں اس کا ایک دھندلا سا نقش ہی قائم ہو سکا، البتہ دل نے ایک لطیف اثر قبول کیا۔ اب میں نے کتاب کے ۲۰ صفحے بلاناغہ پڑھنا اور ان پر اپنے فہم کے مطابق سوچنا شروع کیا۔ جب میں کتاب ختم کر چکا، تو مجھے اپنے دماغ و دل میں حیرت انگیز تبدیلی محسوس ہوئی۔ میں نے قیدِ تنہائی سے نکلتے ہی کمیونزم اور سوشلزم کے معلمین سے بحث و مذاکرہ شروع کر دیا۔ جب وہ میری زبان سے اسلام کی تصریحات سنتے، تو اپنے سوالات بھول جاتے اور انھیں حیرت ہوتی کہ اسلام کا مفہوم مروجہ اصطلاحِ مذہب سے کتنا مختلف ہے"[۳۱]۔ معلوم نہیں کتنے اور گم نام لوگ ہوں گے، جن کی زندگیاں اس تصنیف کی بہ دولت اسلام کے سانچے میں ڈھلی ہوں گی۔ تاہم، استعماری دور میں مسلمانوں کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ جس ذہنی ارتداد سے گزر رہا تھا، اس طبقے کو سیّد مودودی کی غیر معمولی طاقتِ انشا نے ان نازک حالات میں بہت بڑا سہارا دیا۔ ہم واضح کر چکے ہیں کہ سیّد مودودی سے قبل، ہندستان میں جتنے اہلِ قلم نے جہاد پر قلم اٹھایا، ان تمام نے اپنا مقدمہ مجرم کے کٹہرے میں کھڑے ہو کر اپنی صفائی پیش کی۔ ہر ایک نے معذرت خواہی اختیار کی۔ سیّد مودودی کے بارے میں بہت واضح ہے لیکن علامہ اقبال نے بھی وہ شہادت دی ہے کہ یہ ایسی تصنیف ہے جو عذر خواہی سے پاک ہے۔ ڈاکٹر محمد مشتاق احمد مصنف "جہاد مزاحمت و بغاوت" کی روایت ہے کہ ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری (۱۹۳۲ء-۲۰۱۶ء) کہا کرتے تھے کہ: "سیّد مودودی جہاد کے بارے میں غلط فہمیاں ختم کرنے نکلے تھے لیکن کمال یہ ہے کہ عذر خواہی سے بالکل احتراز کیا"۔ بلاشبہ یہی اس تصنیف سے سب سے بڑی خوبی ہے۔ مولانا نے اس کتاب کو تحقیقی و تصنیفی اصول و قواعد کے مطابق سات ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب کے تحت مختلف عناوین قائم کیے ہیں، جس سے معاصر بین الاقوامی قوانین و تعلقات نمایاں ہوتے ہیں اور اسلامی جہاد کی غرض و غایت نمایاں ہوتی ہے کہ انسانی تمدن کی بنیاد جس قانون پر قائم ہے اس کی سب سے پہلی دفعہ یہ ہے کہ انسان کی جان اور اس کا خون محترم ہے اور قرآنی تعلیمات میں اس کو نمایاں کیا گیا ہے۔

وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ [۳۲]

اس پر کتب احادیث کے متعدد ابواب ورہنمائی موجود ہے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اکبر الکبائر الاشراک باللہ و قتل النفس وعقوق الوالدین و قول الزور۔ اسی طرح عالم انسانیت پر اسلامی تعلیم کے گہرے اخلاقی اثرات مرتب ہوئے۔ قصاص کے قانون کے بارے میں فرمایا جس طرح یہ افراد کے لیے ہے اسی طرح جماعتوں کے لیے بھی ہے۔ اس لیے جماعتوں اور اقوام کی فتنہ انگیزیوں کو روکنے کے لیے خونریزی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ ظلم کے خاتمہ کے لیے جنگ جائز ہی نہیں بلکہ فرض ہو جاتی ہے۔ جنگ کی مصلحت پر مولانا نے بہت سی قرآنی استدلالات کیے ہیں۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ۔ اسی آیت سے بین الاقوامی قوانین خصوصاً عبادت گاہوں کے متعلق نمایاں ہوتے ہیں۔[۳۳]

قرآن مجید نے تحمل و برداشت کی تعلیم دی ہے مگر ایسے کسی جملہ کو برداشت کرنے کی تعلیم نہیں دی جو دین اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کرے اور بنیادی انسانی حقوق چھیننے کی کوشش کرے۔اس پر سورہ البقرہ کی آیات مبارکہ 190تا194 سے استدلال کیا گیا ہے۔آزاد مسلمانوں اور غلام مسلمانوں کے تعلقات کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس کے لیے سورہ النساء کی آیت 75 کو بطور دلیل پیش کیا گیا ہے۔مولانا فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی جنگی ضروریات کے لیے عارضی فوج Militia کافی نہیں ہو سکتی بلکہ انہیں مستقل فوج مرابطہ Standing Army رکھنی چاہیے جو ہمیشہ کیل کانٹے سے لیس رہے اس پر سورۃ الانفال کی آیت ساٹھ سے استدلال کیا گیا ہے۔

بین الاقوامی تعلقات کے فروغ کے لیے مصلحانہ جنگ کے عنوان کے تحت كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ سے استدلال کیا گیا ہے کہ اس میں صرف اخرجت للعرب، للعجم،لشرق نہیں کہا گیا بلکہ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کہا گیا ہے۔اور سورۃ الحج 41 میں فرمایا: اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کی خدمت کو قومیت و نسل تک مقید نہیں کیا بلکہ اس رحمت عالمگیریت اور بین الاقوامی دوامیت بخشی ہے۔جبکہ یورپین تہذیب و تمدن،امپیریلزم کی علمبردار ہے اور ایک خاص قوم اور ملک کے افراد کی حکومت کا نام ہے بخلاف اس کے اسلام پر کسی کو قبول کرتا ہے اور بین الاقوامیت کا حامل ہے وہ ایک قانون زندگی اور نظام حیات ہے۔قرآن مجید نے احکام جنگ کی غرض و غایت بتانے کے ساتھ اس کی ایک حد مقرر کر دی ہے۔اور اس سے آگے بڑھنے کو ممنوع قرار دیا ہے۔اس اہم قانون کے استدلال کے لیے سورہ البقرہ193۔المائدہ22التوبہ 29 کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور سیرت رسول ﷺ کے ذریعے محاربین (Belligerents) کو دو طبقوں میں تقسیم کر دیا اور ایک اہل قتال Combatants اور دوسرے غیر اہل قتال Non Combatants اسلام نے طبقہ اول کے لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت دی ہے اور طبقہ دوم کے لوگوں کو قتل کرنے سے منع کر دیا ہے۔ اسیران جنگ کو قتل کرنے کی ممانعت ہے ان کے لیے فدیہ کا قانون متعارف کروایا گیا،قید کے دوران نیک سلوک کرنے کی تلقین کی گئی اسلام نے اسیران جنگ کو غلام بنانے کی صرف اجازت دی ہے حکم نہیں دیا اور اس سے فائدہ اٹھانا یا نہ اٹھانا مسلمانوں کو اختیاری فعل قرار دیا گیا ہے۔

حوالہ جات

۱- مولانا شبلی نعمانی کے دور تک مستشرقین کی جتنی کتابیں منظرِ عام پر آئی تھیں، ان کی فہرست مولانا شبلی نے سیرت النبیؐ میں دی ہے۔سیرت النبیؐ، شبلی نعمانی،(اعظم گڑھ، دارالمصنّفین، ۱۹۷۴ء)،۱/۹۲-۹۵

۲- انگلستان کے سفر کا ایک مقصد اس کتاب کا جواب دینا بھی تھا۔اس کتاب کو لکھنے میں انھوں نے بہت صعوبتیں اٹھائیں۔تفصیل کے لیے دیکھیے: مولانا الطاف حسین حالیؔ، حیاتِ جاوید (دہلی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۹ء)، حصّہ دوم، ص ۱۲۰-۱۱۹۔اس کتاب کی تفصیلی روداد کے لیے دیکھیے: مسافرانِ لندن، شیخ محمد اسماعیل پانی پتی [۱۸۹۳ء-۱۹۷۲ء](لاہور: مجلس ترقیِ ادب،۲۰۰۹ء)۔

۳- سر سیّد نے کتاب خطباتِ احمدیہ اردو میں لکھی تھی۔اس کو آپ کے صاحبزادے جسٹس سیّد محمود [۱۸۵۰ء-۱۹۰۳ء] نے انگریزی میں ترجمہ کیا تھا، دیکھیے: The New Encyclopedia Britannica، جلد اوّل (یونی ورسٹی آف شکاگو،۱۹۸۵ء)، ص ۱۶۴

۴- خطباتِ احمدیہ بہت بعد (۱۸۸۷ء) میں شائع ہوئی۔یاد رہے ولیم میور کی کتاب کا پہلے انگریزی سے فارسی میں ترجمہ کیا گیا، یعنی سر سیّد کے پڑھنے کا اصل ماخذ فارسی کتاب تھا۔ثریا حسین، سر سیّد احمد خان اور ان کا عہد، (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاوس،۱۹۹۳ء)، ص ۱۱۳۔سر سیّد کی انگریزی زبان سے ناواقفیت کی شہادت خطباتِ احمدیہ میں بھی مذکور ہے۔دیکھیے: سر سیّد احمد خان، خطباتِ احمدیہ، (کراچی: نفیس اکیڈمی،۱۹۶۴ء)

۵- خطباتِ احمدیہ، ص ۲۲۵

۶- حیاتِ جاوید، حصّہ دوم، ص ۱۲۵۔سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے معجزات پر الزامی جواب کے طور پر جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے، وہ بھی نازیبا ہے۔اصل میں یہ کتاب چراغ علی نے انگریزی میں اس عنوان سے لکھی: A Critical Exposition of Popular Jihad، (کلکتہ: تھیکر سپنک اینڈ کمپنی،۱۸۸۵ء)

۷- چراغ علی کی وفات پر سر سیّد نے بہت گہرے غم کا اظہار کیا تھا۔ملاحظہ ہو: شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، مقالاتِ سر سیّد، (کلب روڈ لاہور: مجلس ترقی ادب،۱۹۶۵ء)، ص ۷۸۱

۸- سر سیّد احمد خان، مکتوبات، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۶ء)، ص ۳۷۰

۹- مزید دیکھیے: وحید الرحمان، The Religious Thought of Moulvi Chiragh Ali، تحقیقی مقالہ برائے ایم اے (مانٹریال: میک گل یونی ورسٹی، ۱۹۸۲ء)

۱۰- اس کا لفظی مطلب ہے پاک کرنا، یعنی جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں انھیں دوبارہ ہندو بنا کر پاک کرنا۔

۱۱- عبدالرشید کے متعلق سیّد مودودی کے الجمیعۃ ۱۹۲۷ء کے مضامین میں تفصیل موجود ہے۔ جنھیں مضامین جناب خلیل احمد حامدی [۱۹۲۹ء-۲۴ نومبر ۱۹۹۴ء] نے آفتابِ تازہ کے نام سے مرتب کیا ہے: سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، آفتابِ تازہ، (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، ۱۹۹۳ء)۔ سیّد مودودی نے لکھا ہے کہ: اس وقت تمام مسلمان زعما نے سوامی جی کے قتل کی شدید مذمت کی تھی، لیکن ہندوئوں نے اسی روز مجنونانہ انتقام لے لیا، اور مسلمانوں پر حملہ کر کے پانچ لوگ زخمی کیے۔ ایک غریب مسلمان مفتی محبوب علی کو شہید کر دیا۔ (آفتابِ تازہ، ص ۲۳)۔ عدالت نے مفتی محبوب علی کے قتل میں گرفتار ملزمان کو رہا کر دیا (ایضاً، ص ۱۱۷) ہندوؤں نے بار بار یہ الزام لگایا کہ سوامی جی کو مسلمانوں نے ایک سازش کے تحت قتل کر دیا ہے لیکن وہ اس کا کوئی ثبوت پیش نہ کر سکے، بالآخر عبدالرشید کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان کی جانب سے خرابی دماغ کا عذر پیش کیا گیا، جس کو کسی تحقیقات نے غلط ثابت نہیں کیا (ایضاً، ص ۶۷)

۱۲- وی جی ڈیسائی، A Gandhi Anthology Book، اوّل، (احمد آباد: نواجیون پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۵۸ء)، ص ۱۲

۱۳- 'سیّد ابوالاعلیٰ مودودی'، الجہاد فی الاسلام، (اعظم گڑھ: دارالمصنّفین، ۱۹۳۰ء)، ص ۸؛ محمد یوسف بُھٹہ، مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں (لاہور: ادارہ معارفِ اسلامی، طبع دوم، مارچ ۱۹۸۴ء)، ص ۲۵۱

۱۴- 'ہندوؤں کا امن سوز پروپیگنڈا'، سیّد مودودی، الجمیعۃ، ۱۰ جنوری ۱۹۲۷ء، بہ حوالہ آفتابِ تازہ، ص ۲۵

۱۵- سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، آفتابِ تازہ، مرتبہ: خلیل احمد حامدی، ص ۲۷

۱۶- ایضاً، ص ۲۸

۱۷- ہندوؤں نے مولانا محمد علی جوہرؔ کے خلاف بھی خوب پروپیگنڈا کیا کہ عبدالرشید کو اُکسانے میں وہ بھی شریک ہیں، سیّد مودودی نے الجمیعۃ، ۲۲ جنوری ۱۹۲۷ء میں اخبار ارجن کے مضمون کا حوالہ دیا ہے: گذشتہ چھے ماہ میں دہلی کے مسلمان اخبارات نے سوامی جی کے برخلاف حد درجہ کا زہریلا اندولن جاری رکھا۔ یہاں تک کہ مولانا محمد علی کے اخبار 'ہمدرد' نے بھی سوامی جی کے برخلاف مسلمانوں کو خوب بھڑکایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کئی متعصب مسلمانوں کا یہ وشواس ہو گیا کہ سوامی جی کا قتل کرنا ثواب کا کام ہے"۔ (آفتابِ تازہ، ص ۳۹)

۱۸- جسٹس ملک غلام علی کے مطابق سیّد مودودی نے خود مولانا محمد علی جوہرؔ کی آرزو کو بیان کیا ہے: یہ غوغا آرائی ایک مدّت تک بڑے زور و شور سے جاری رہی۔ مولانا محمد علی مرحوم نے ان بہتان تراشیوں سے تنگ آکر جامع مسجد دہلی میں ایک تقریر کی اور آبدیدہ ہو کر کہا کہ کاش کوئی اللہ کا بندہ ان الزامات کے جواب میں اسلام کا صحیح نقطۂ نظر پیش کرتا۔ تقریر سننے والوں میں ایک میں بھی تھا۔ میں جب وہاں سے اٹھا تو یہ سوچتا ہوا اٹھا کہ کیوں نہ میں ہی اللہ کا نام لے کر اپنی سی کوشش کروں"۔ (مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں، ص ۲۵۱-۲۵۲)

۱۹- ڈاکٹر ایچ بی خان کے مطابق سیّد مودودی نے ۱۶ مئی ۱۹۲۸ء کو الجمیعۃ کی ادارت سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ ایچ بی خان کے نام مکتوب میں مولانا مودودی نے بھی اس تاریخ کی تصدیق کی ہے۔ (تذکرہ سیّد مودودی، اوّل، مرتبہ: جمیل احمد رانا، سلیم منصور خالد، (لاہور، ادارہ معارف اسلامی، اپریل ۱۹۸۶ء)، ص ۱۸۵، ۱۸۶۔ خود نوشت، سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، مشمولہ: نقوش آپ بیتی نمبر، [مدیر: محمد طفیل، ۱۹۲۳ء-۴ جولائی ۱۹۸۶ء]، (لاہور: ادارہ فروغِ اردو، جون ۱۹۶۴ء)، ص ۱۲۹۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: تذکرہ سیّد مودودی، دوم، ۱۹۹۸ء [مقالہ: صفت برق چمکتا ہے ترا فکر بلند، از پروفیسر سیّد محمد سلیم: ۱۹۲۲ء- ۲۷ اکتوبر ۲۰۰۰ء]، ص ۱۴۳-۱۴۸

۲۰- اخبار الجمیعۃ، ۲ فروری ۱۹۲۷ء، بہ حوالہ: وثائق مودودی، مرتبہ: سلیم منصور خالد (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، ۱۹۸۴ء)، ص ۸۰

۲۱- ڈاکٹر سفیر اختر، مقالہ: 'مولانا مودودی اور معارف'، در تذکرہ سیّد مودودی، اوّل (اپریل ۱۹۸۶ء، حوالہ مذکور)، ص ۱۶۴

۲۲- عبدالماجد دریابادی (مرتب)، مکتوباتِ سلیمانی، (لکھنؤ: صدق جدید بک ایجنسی ۱۹۹۳ء)، حصہ اول، ص ۲۴۵۔ ڈاکٹر سفیر اختر، حوالہ بالا۔

۲۳- ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، دسمبر ۱۹۲۹ء، ص ۴۰۳

۲۴- ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۳۰ء، ص ۲-۳

۲۵- بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوارِ اقبال (کراچی: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۶۷ء)، ص ۳۱۸

۲۶- ہفت روزہ چٹان، لاہور، ۲۵ اپریل ۱۹۵۴ء بہ حوالہ: ڈاکٹر سفیر اختر: بیاد سیّد مودودی، (دار المعارف، لوہسر شرفو، ۱۹۹۸ء) ص ۱۶

۲۷- ہفت روزہ ایشیا، لاہور، [مدیر: چودھری غلام جیلانی- ۱۹۲۱ء- ۱۸ جنوری ۱۹۹۰ء] ۷ اپریل ۱۹۶۹، نیز رحیم بخش شاہین، [۱۹۴۲ء-۱۸ جولائی ۱۹۹۸ء]، اوراقِ گم گشتہ، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۷۵ء، ص ۸۶

۲۸- رئیس احمد جعفری، دید و شنید، (کراچی: رئیس احمد جعفری اکیڈمی ۱۹۸۴ء)، ص ۵۶

۲۹- سید ابوالاعلیٰ مودودی، تصریحات، مرتبہ: سلیم منصور خالد (لاہور: البدر پبلی کیشنز، نومبر ۲۰۰۹ء)، ص ۲۵۳

۳۰- مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں، ص ۲۵۲-۲۵۳

۳۱- ایضاً، ص ۳۸۳

۳۲- الفرقان:68؛ مزید مطالعہ کے لیے المائدہ:32؛ الانعام:151

۳۳- اس مضمون کی مزید وضاحت کے لیے؛ البقرہ:251؛ المائدہ:64